رئیس احمد جعفری

اودھ پر انگریزوں کا قبضہ

انگریز اس ملک میں تاجر اور سوداگر کی حیثیت سے آئے تھے مسلمان فرماں رواؤں نے ان غریب الوطن سوداگروں کو سہولتیں دیں۔ ان کے ساتھ رعائتیں کیں۔ ان کی غلطیوں پر عفو و کرم سے کام لیا۔ انہیں پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کا موقع دیا۔ انہیں نوازا، ان پر بذل و عطا کی بارش کی۔ لیکن اُنہوں نے صلہ کیا دیا؟ ——

یہ تاجر تھے، لیکن فرماں روائی کا خواب دیکھنے لگے۔ یہ غریب الوطن تھے، لیکن بادشاہت کی آرزو کرنے لگے، یہ مفلس تھے، لیکن کروڑوں آدمیوں کے ایک ملک کو اپنا غلام اور محکوم بنا لینے کا پروگرام بنانے لگے۔ ان کے پاس کچھ نہ تھا، لیکن آرزو یہ تھی کہ سب کچھ بن جائیں:

اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے!

لیکن کتنی عجیب بات ہے، مسافروں کی ایک جماعت بادشاہت اور حکومت کا خواب دیکھے اور یہ خواب بغیر کسی دشواری کے شرمندۂ تعبیر بھی ہو جائے۔ ہاں یہ عجیب بات ہے۔ لیکن تاریخ کے آئینہ میں واقعات کا مشاہدہ کیجئے تو معلوم ہوگا یہ معجزہ انگریزوں کا نہ تھا، بلکہ اس دیس کے باشندوں کا تھا۔ مٹھی بھر انگریز اتنے بڑے ملک کے مالک کیسے بن سکتے تھے، اگر اس ملک کے رہنے والے وطن دوست اور حریّت خواہ ہوتے؟

انگریزوں کی ساری کامیابیاں اور کامرانیاں رہینِ منت ہیں اس نیم براعظم کے باشندوں کی خود غرضی، جاہ طلبی اور حرص و آز کی۔ ہم آپس میں لڑے، انگریز ثالث بالخیر بن کر پہنچ گئے۔ ہم نے ایک دوسرے کا خون بہایا، انگریز اپنے مصالح کے اعتبار سے ایک کے دوست دوسرے کے دشمن بن گئے۔ ہم نے توسیع مملکت کے لئے جنگیں کیں اور انگریزوں سے مدد مانگی۔ اُنہوں نے مدد کی اور مُنہ مانگی قیمت اس امداد و اعانت کی وصول کر لی۔ ہم نے سب کچھ کھو دیا، اُنہوں نے سب کچھ پا لیا۔

یوں تو انگریز متحدہ ہندوستان کے مختلف مقامات پر جوڑ توڑ، سازش اور فریب کاری کے جال پھیلاتے رہے، لیکن اودھ پر ان کی نظریں مدت سے لگی ہوئی تھی۔ یہ زرخیز ملک تھا۔ یہاں کی زمین سونا اُگلتی تھی۔ اودھ پر قبضہ کر لینے کے معنی یہ تھے کہ سارا ہندوستان انگریزوں کے ماتحت بن گیا۔

انگریزوں کی پالیسی ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ وہ اپنا اثر و نفوذ رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ بڑھاتے ہیں اور یک بیک

چھاپہ مار کر قبضہ کر لیتے ہیں۔ پھر ان سے بڑھ کر خون آشام، درندہ خو اور بہائم صفت کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ ان کی دوستی، وفاداری، دلداری سب افسانہ ماضی بن جاتی ہے۔ پھر ان میں اور بھیڑیئے میں کوئی فرق نہیں رہتا، بلکہ ان کی سفاکی اور شقاوت دیکھ کر بھیڑیا بھی شرم سے گردن جھکا لیتا ہے اور زبانِ حال سے پکار اٹھتا ہے:

ہم تو مرشد تھے تم ولی نکلے

انگریزوں نے جب اور جہاں اپنا پرچم لہرایا قوت اور طاقت کے بل نہیں، مکر اور فریب کے بوتے پر، دوستی کے پردہ میں دشمنی کر کے۔

بکسر کی لڑائی ۱۷۶۴ء میں ہوئی، اور فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ اس جنگ میں انگریزوں کے خلاف شاہ عالم، شجاع الدولہ اور میر قاسم شریک تھے۔ لیکن یہ انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ نہ تھا۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنی فکر میں تھا۔ مقابلہ انگریزوں سے درپیش تھا، لیکن انگریزوں کو شکست دینے سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ ہم میں سے کون زیادہ سے زیادہ اقتدار و اختیار کا مالک بنتا ہے؛ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ باہمی رشک و حسد، بے اعتباری و بے اعتمادی اور زرخریدوں کی سازش، اور غداری سے انگریزوں نے پورا فائدہ اٹھایا، وہ جیت گئے۔ شاہ عالم نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی دے کر اپنی جان چھڑائی۔ شجاع الدولہ کو عافیت اس میں نظر آئی کہ پیمان دوستی باندھ لیں۔ انگریزوں نے پیمان دوستی باندھ لیا، لیکن چند شرائط کے ساتھ، چند مخصوص مفادات کے ساتھ۔ شجاع الدولہ کو سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ بڑی گراں قیمت پر انگریزوں کی دوستی خریدنے پر وہ مجبور ہو گئے۔ اور یہ قیمت انگریزوں نے بڑے ٹھاٹھ سے وصول کر لی۔ شجاع الدولہ نے روہیلکھنڈ پر قبضہ کیا، اور حافظ رحمت خان کو شکست دی۔ جو تلوار انگریزوں کے مقابلہ میں کند تھی، وہ انگریزوں کے ساتھ مل کر حافظ رحمت خان کے مقابلہ میں دو دھاری بن گئی۔

لیکن شجاع الدولہ عمر نوح لکھا کر تو آئے نہیں تھے، آخر ایک دن اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کے مرتے ہی انگریزوں کی دوستی اور زیادہ گراں قیمت بن گئی۔ ان کے شرائط اور زیادہ سخت ہو گئے، ان کا مفاد اور زیادہ وسعت ڈھونڈنے لگا۔ آصف الدولہ قبل اس کے کہ سریر آرائے مملکت ہوں، انگریزوں نے بغیر کسی مروت اور جھجک کے صاف صاف کہہ دیا کہ جب تک تمام پچھلا قرضہ مع سود در سود نہ بیباق کر دیا جائے، اور اودھ میں متعین انگریزی سپاہ کے مصارف میں پچاس ہزار مزید اضافہ نہ منظور کر لیا جائے اور ریاست بنارس ہماری ماتحتی میں نہ دے دی جائے، دوستی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آصف الدولہ مجبور تھے، جانتے تھے جس کی دوستی اتنی خوفناک ہو اس کی دشمنی قیامت سے کیا کم ہو گی؟ شرائط لکھے گئے اور انھوں نے دستخط کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کا اثر و اقتدار اور بڑھ گیا۔ ان کے رعب و دابے سے بادشاہ تک خائف نظر آنے لگے۔

آصف الدولہ بھی اپنی سخاوت اور دریا دلی کی بہار دکھا کر عازم خلد ہوئے۔ ان کے بیٹے وزیر علی خاں انگریزوں

کو ہیچ اور حقیر سمجھتے تھے، چنانچہ انگریزوں کی خلاف مرضی وہ تختِ حکومت پر متمکن ہوگئے۔ لیکن جم نہ سکے۔ تخت خالی کرنا پڑا۔ نظر بندی کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ بڑے دلاور اور مدبر تھے۔ لیکن نہ تدبّر کام آیا نہ دلاوری۔ اب سعادت علی خاں نمایاں ہوئے۔ انگریزوں نے دوستی کی قیمت یہ مانگی کہ نصف سے زیادہ ملک پر اپنے تسلّط کا معاہدہ کر لیا۔ سعادت علی خاں نے یہ سوچا تھا کہ وہ انگریزوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ تختِ حکومت پر بیٹھ کر، زمامِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے کر وہ اتنے طاقتور ہو جائیں گے کہ انگریز چوں بھی نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ کئی سال تک وہ تکمیل معاہدہ میں ٹال مٹول اور ایں وآں کرتے رہے۔ ایک روز ریزیڈنٹ بہادر یعنی کرنل اسکاٹ نے سعادت علی خاں کے وکیل میاں سدّن کو بلایا اور کرچ نکال کر سامنے رکھدی۔ پھر فرمایا اس کا جواب کیا دیتے ہو؟

مولوی سدّن نے بڑی برجستگی سے فرمایا "اس کا جواب بکسر کی لڑائی میں ختم ہوگیا۔ اب کس کی مجال جواب شافی کی ہے؟"

گو سعادت علی خاں بھی بڑے جیالے، بہادر، سیاست دان اور مدبر تھے۔ لیکن انگریزوں سے سعادت مندی کا برتاؤ کرنے پر مجبور ہوگئے۔

اس نئے معاہدہ کے بعد اودھ پر انگریزوں کا اقتدار اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں عروج کو پہنچ گیا۔ نصیر الدین حیدر کے ایک انگریز مصاحب نے اپنے تاثرات اور مشاہدات جو شائع کئے ہیں اس میں اس نے انگریز ریذیڈنٹ کی قہرمانیت اور جلالت شان کا طنز کے ساتھ نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"میری تقریب بڑے صاحب سے ہوئی۔ یہ لندن میں ایک معمولی سی حیثیت کے آدمی تھے لیکن یہاں ان کے اختیارات ایک بادشاہ اور اسکی پچاس لاکھ رعایا پر ایسے لامحدود تھے جو یورپ میں کسی بادشاہ کو حاصل نہیں ہو سکتے۔"

حقیقت یہ ہے کہ ملک اودھ انگریزوں کے لئے سونے کی چڑیا تھا۔ اس سے کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔ اس سے وہ زیادہ سے زیادہ نفع اٹھاتے اور استحصال کرنے پر مجبور تھے۔ ان کی قومی بقا اور ملکی فلاح کے لئے یہ ایک ناگزیر اقدام تھا۔

میک ناٹک سکرٹری گورنر جنرل لکھتا ہے:

"اودھ ہندوستانی حکومت کی مشین کا ایسا پرزہ ہے جس کی بدولت ہم بہت سی آفات سے محفوظ رہتے ہیں"

اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انگریز اودھ کی بدو۔۔۔ بہت سی آفات سے محفوظ رہے اور ان کا دامن ہیرے جواہر سے بھر گیا، اور ان کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی رہی یہاں تک کہ واجد علی شاہ سریر آرائے

مملکت ہوئے۔

واجد علی شاہ کی مایوسی

شروع میں واجد علی شاہ نے بھی اپنے اجداد کی طرح یہ چاہا کہ امور مملکت میں انگریز مداخلت نہ کریں۔ لیکن جیسے ہی اُنہوں نے آنکھ دکھائی واجد علی شاہ نے سعادت مندی اور اطاعت کیشی کا اظہار شروع کر دیا۔ اور عیش و نشاط کی سرمستیوں میں کھو گئے۔ اور امور مملکت ریذیڈنٹ کے حوالے کر دئے۔ صاحب ریزیڈنٹ سے اُنہوں نے کبھی سرتابی نہ کی۔ جو ایماء ہوُا سر آنکھوں سے اس کی تکمیل کی۔

شاہانِ اودھ غازی الدین حیدر کے عہد تک "نواب وزیر" کہلاتے تھے۔ اور بعد میں انہیں انگریزوں نے بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس خاندان نے انگریزوں کے ساتھ کیسے وفادارانہ اور نیازمندانہ روابط قائم رکھے اسے ایک انگریز مؤرخ بھی تسلیم کرتا ہے:

"اودھ کے نواب وزیر بے شک بدحکمران و بدکار تھے، مگر وہ سرکار کمپنی کے بڑے صادق و وفادار دوست تھے۔ وہ اپنی رعیت اور آدمیوں کے ساتھ جھوٹے تھے۔ مگر وہ برٹش گورنمنٹ کے ساتھ سچے تھے۔ اُنہوں نے برٹش گورنمنٹ کے ساتھ علانیہ مروت کی۔ نہ وہ اس کے برخلاف سازش و دغابازی میں مخفی شریک ہوئے۔ اُنہوں نے گورنمنٹ کی خدمات عظیمہ بھی کیں۔ اُنہوں نے جنگ کے وقت انگریزی سپاہ کے لئے غلّہ کی رسد رسانی اور باربرداری کے لئے جانور بہم پہنچائے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کام کیا زر نقد اس حالت میں عنایت کیا کہ بہت تھوڑا قرض گورنمنٹ کا دیا تھا۔ لکھنؤ کے خزانہ میں روپیہ تھا اور کلکتہ کے خزانہ میں روپیہ نہ تھا ایسے وقت میں انگریز حکمرانوں کو نواب وزیر سے روپیہ مانگنے کی ضرورت تھی۔ لارڈ ہسٹنگز ایک جنگِ عظیم لڑ رہا تھا جس میں بہت روپیہ کی ضرورت تھی۔ دو کروڑ روپیہ ان کو اپنی مہم عظیم کے سرانجام کرنے کے لئے درکار تھا۔ روپیہ عین وقت پر نواب وزیر نے دیدیا جس کے عوض میں برٹش گورنمنٹ نے اسے خطابات اور ملک عطا کئے۔ اس مبارک وقت میں انگریزوں کی فتح نیپال کی جنگ کا خاتمہ ہوُا۔ اور اس کے سبب سے پہاڑوں کے نیچے کا ملک ان کے قبضہ میں آیا۔

ملک اودھ کے حدود

ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ انتزاع سلطنت کے وقت اودھ کے حدود کیا تھے؟ زمان آخر واجد علی شاہ تک جو حدیں اس ملک (اودھ) کی قائم تھیں وہ یہ ہیں:

شمال میں ملک نیپال علاقۂ بلرام و تلسی پور متعلقۂ اودھ سے ایک سو نواسی کوس براہِ بٹول ہے۔

جنوب میں دریائے گنگا سے ذہارتھا۔ گنگا پار کانپور وغیرہ انگریزی علاقے تھے۔

مغرب میں بانس بریلی اور شاہجہان پور وغیرہ۔

مشرق میں جونپور اور کاشی عرف بنارس۔

یہ قلمروشاہ اودھ پانچ نظاموں پر منقسم تھی: (۱) خیرآباد (۲) گونڈہ بہرائچ (۳) سلطان پور (۴) بیسواڑہ۔ (۵) سلون۔

ہر نظامت میں تین تین چار چار چکلے تھے۔ حاکم نظامت ناظم و منتظم چکلہ، چکلہ دار کہلاتے تھے۔ ان کی ماتحتی میں تحصیلداران محال مامور ہوا کرتے تھے۔

ناظم کو پورے اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ وہ بڑے مرتبہ کا آدمی ہوتا تھا، جملہ سامان شان وشوکت مہیا رکھتا تھا۔ اس کی سواری کے سامنے موافق وقت کے حاکمانہ جلوس جیسے چوبدار، عصا بردار، علم بردار چلتے تھے۔ نقیب آگے آگے بولتے جاتے۔ نقارۂ اسپی آگے آگے بجتا، توپوں کی سواری سر ہوتی، پیادہ اور سوار پس وپیش ہوتے۔

سوائے چکلہ جات متعلقۂ نظامت کے جو علاقے زائد تھے ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) باڑی بسواں (۲) دریاباد ردولی (۳) دیواکرسی (۴) نواب گنج بارہ بنکی (۵) گوشائیں گنج (۶) موہاں (۷) رسول آباد (۸) صفی پور (۹) بانگر مؤ ملانواں (۱۰) سانڈھی پالی (۱۱) محمدی (۱۲) میاں گنج۔

لارڈ ڈلہوزی کی رپورٹ

لیکن ان وفاداریوں اور اطاعت شعاریوں کے باوجود انگریز اودھ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ قبضہ کرنے کی ایک صورت تو یہ تھی کہ قبضہ کر لیا جاتا اور کسی اصول اور معاہدہ کو پیش نظر نہ رکھا جاتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ سانپ مر جاتا لیکن لاٹھی نہ ٹوٹتی۔ بادشاہ برائے نام بادشاہ رہتے۔ اور سارا کاروبار مملکت انگریزوں کے قبضہ اور تصرف میں آجاتا۔ گورنر جنرل ہند لارڈ ڈلہوزی کا ضمیر اور اخلاق کسی حد تک زندہ تھا۔ وہ اس آخری رائے کے حامی تھے۔ انہوں نے کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرس کو اس سلسلہ میں جو رپورٹ بھیجی اس میں برسوں سے جو شہادتیں بدنظمی ملک اودھ کی پیش ہوتی تھیں ان کو بالتفصیل لکھا اور جو رائیں اس معاملہ میں تھیں لکھیں۔ اور انہوں نے اس سے قطع نظر کی کہ آسودگی رعایا کی خاطر سلطنت کا لینا گورنمنٹ پر واجب ہے۔ اس میں بیان کیا گیا کہ اگر ہماری سپاہ اودھ میں موجود نہ ہوتی تو رعایا نے اپنا ہاتھ پتھر کے تلے سے کبھی کا نکال لیا ہوتا اور ان پر ہرگز ظلم وستم نہ ہونے پاتا۔ اس لئے چپ چاپ رہنا ہمارے انصاف اور عدالت کا مقتضی نہیں ہے۔ گو بادشاہ نے ان عہدوں میں جو رعایا کی آسائش کے لئے کئے گئے تھے بے وفائی کی، مگر برٹش گورنمنٹ سے جو اتحاد اور اخلاص کے پیمان تھے ان میں سر مو عہد شکنی نہیں کی بلکہ ہمیشہ برٹش گورنمنٹ کی ضرورتوں کے وقت میں اپنے مقدور کے موافق مددگار اور معاون رہے۔ اس لئے احسان مندی اور انصاف کا اقتضا یہ ہے کہ ہم رعایا کی آسودگی اور بہتری کے لئے بادشاہ کی علو مرتبگی اور رعالی منصبی میں جس قدر ممکن ہو تنزل کم کریں۔ ملک کی ترقی اور رعایا کی بہبودی بغیر اس کے بھی ہو سکتی ہے کہ ملک اودھ سرکار

کمپنی کے ملک کا ایک صوبہ بنایا جائے اور تخت شاہی بالکل اُلٹ دیا جائے۔ اس لئے میری رائے نہیں ہے کہ ملک اودھ سرکار کمپنی کے ملک کا ایک صوبہ بنایا جائے۔ بلکہ جس قدر ملک بادشاہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کے بدستور بادشاہ بنے رہیں۔ لیکن دیوانی اور فوجداری سپاہ کا انتظام کمپنی کے سپرد کر دیں اور سالانہ روپیہ اُن کو اس قدر ملا کرے جس سے وہ اپنی شانِ شاہی کو نبھائے رکھیں۔

"مشورے ہو رہے ہیں آپس میں"

لیکن لارڈ ڈلہوزی کی رائے صاحبان انگریز کے لئے قابلِ قبول نہ تھی۔ چنانچہ اس رائے کے ساتھ سر برتری کاک ممبر کونسل نے اتفاق کیا۔ سر جان گرینٹ نے اختلاف کیا۔ اور کہا کہ اودھ سرکاری عملداری میں شامل کرنا چاہیئے۔ جنرل لو نے جو پہلے لکھنؤ کے ریزیڈنٹ بھی رہ چکے تھے یہ کہا ملک اودھ میں بدانتظامی اس مدت دراز سے پھیل رہی ہے کہ جب تک وہ سرکار کمپنی کے ملک کا ایک صوبہ نہیں بنے گا وہاں کا عمدہ انتظام ہی نہیں ہوگا۔ غرض سب لارڈ ڈلہوزی کی اس رائے کے مخالف ہو گئے کہ سلطنت کا ست نکال لینا چاہیئے مگر اُس کی کھال میں اتنا دم باقی رکھنا چاہیئے کہ وہ مردہ بصورت زندہ نظر آتی رہے اور بالکل نظروں سے غائب ہو کر دفن نہ کی جائے۔ آخر کو یہ سب رائیں اور کرنیل سلیمن اور جنرل اوٹرم کی رپورٹیں کورٹ ڈائرکٹرز کی خدمت میں بھیجی گئیں۔ دو مہینہ تک وہاں بہت غور و خوض کیا گیا۔ لارڈ ڈلہوزی کی رائے کے خلاف سب ڈائرکٹروں کی بالاتفاق یہ رائے ہوئی کہ اودھ کو ممالک سرکار کمپنی میں داخل کر لینا چاہیئے، اور تخت شاہی کو قائم نہ رکھنا چاہیئے۔

لارڈ ڈلہوزی کی رائے کورٹ آف ڈائرکٹرس نے اس لئے نہیں مانی کہ اودھ کی بدنظمی کا بغیر اس کے سدباب نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ بدنظمی جس کا اتنا چرچا کیا گیا ہے صرف ذہن و دماغ اور صفحۂ قرطاس پر تھی، ورنہ خارج میں اس کا کہیں وجود نہ تھا۔ انگریزوں کے دورِ حکومت میں اودھ کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا انہیں دیکھ کر تو بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ عہدِ واجد علی شاہ میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں۔

انگریزوں کی فریب کاری

انگریزوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اودھ کا الحاق کر لیا جائے۔ لیکن آخر وقت تک اپنے اس ارادہ کو چھپاتے رہے۔ اگر بادشاہ کو انگریزوں کی فوجی نقل و حرکت سے کسی طرح کا شبہ پیدا ہوا تو بڑی صفائی سے اس کی تردید کر دی۔

"سپاہ کو سرحد پر جانے کا حکم ہوا۔ جب فوج انگریزی کے کانپور میں جمع ہونے کی خبریں آڑیں اور اس بات کے سبب میں چرچے ہونے لگے تو بادشاہ نے ریزیڈنٹ کے اسسٹنٹ سے اس باب خاص میں دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ راجہ نیپال لاکھ آدمیوں کی جمعیت کیساتھ اپنے مقدس مقام پرستش کو جاتا ہے اُس کے اہتمام کو فوج سرکار جمع ہوئی ہے آپ رعایا کی تشفی کے لئے اشتہار جاری کر دیں تاکہ فوج کا منطنہ دل سے جاتا رہے۔ اور جو کوئی اس کے خلاف

سمجھے گا مجرم سرکار ہوگا اور میں بھی صاحب مجسٹریٹ کانپور کو شہر میں منادی کر دینے کے لئے لکھتا ہوں۔"

صاحب بہادر تشریف لاتے ہیں

آخر جنرل اوٹرم صاحب ریزیڈنٹ اودھ شاہانہ جاہ و جلال اور تزک و احتشام کے ساتھ گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی سے صلاح و مشورہ کر کے ۳۰ جنوری ۱۸۵۶ء مطابق ۲۱ جمادی الاوّل ۱۲۷۲ھ کو تشریف لائے۔

بادشاہ کو اپنے انگریز دوستوں سے کوئی اندیشہ نہ تھا

علی نقی خان بعد زوال شمسی نہایت اطمینان کے ساتھ استقبال کو گئے۔ اُس وقت تک کسی طرح کا وسوسہ و کھٹکا بلکہ گمان بھی دل میں نہ تھا اور جو کچھ خلائق یا دوستانِ دور و دراز سے سنتے تھے اُسے زٹل افسانہ بازاری جانتے تھے۔ بمبئی کے کئی تاجروں اور عملۂ انگریزی نے متواتر بذریعہ خطوط اور بعض نے بالمشافہ خبر پہنچائی اور بعض انگریزوں نے پارلیمنٹ لندن کی تجویز کی بھی اطلاع کر دی۔ اور اُس کی صورتِ اصلاح امکانی بھی بتائی۔ لیکن ارکانِ سلطنت ان سب باتوں کو لغو و مہمل سمجھے اور اگر کسی نے مقربانِ بادشاہ سے کہا مثل خواب پریشان اُڑا دیا۔ غرض ۳ بجے جنرل اوٹرم صاحب داخل ریذیڈنسی ہوئے۔ توپیں سلامی کی چلیں۔ اُس وقت جنرل صاحب نے علی نقی سے کہا کل دس بجے ہمارے پاس آؤ گورنر جنرل کے احکام تم کو سنائیں گے۔ اور سرکار کمپنی کی فوج ممالک محروسہ کے انتظام کے لئے آتی ہے آپ کسی امین کو اہتمام رسد کے لئے روانہ کریں۔ غرض اُسی وقت راجہ جے لال سنگھ اہتمام رسد کو روانہ ہوئے۔ پچھنے کو علی نقی خان وزیر خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے۔ معلوم نہیں تمام رات کس خواب میں کٹی۔ اب دل پر افکار کا ہجوم ہوا۔

علی نقی وزیر اعظم کو اوٹرم کی دھمکی

علی نقی وقت خاص پر صاحب ریزیڈنٹ کے پاس پہنچے۔ اُنھوں نے کہا کہ نواب گورنر جنرل نے حسب الحکم کورٹ ڈائرکٹرز ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ مصارف ذات بادشاہ کے لئے اور تین لاکھ روپیہ عملہ و شاگرد پیشہ کے لئے مجموعہ ۱۵ لاکھ روپیہ مقرر فرمایا ہے۔ اور نواب شجاع الدولہ کی اولاد کی تنخواہ اپنے ذمہ لی ہے۔ اور ملک محروسہ کا انتظام موافق دستور سرکار کمپنی کے ہوگا۔ محبت نامہ بھی انہیں احکام کا بادشاہ کو پہنچے گا۔ اور یہ جدید عہد نامہ گورنر جنرل نے تجویز کیا ہے چاہیے کہ اس پر بادشاہ اپنی مہر کمال رضامندی سے کر دیں اور اس بارے میں تمہاری بڑی خیر خواہی سرکار کمپنی میں ہوگی کیونکہ تم کو بادشاہ کے مزاج میں پورا دخل ہے اس کے جلو میں لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر بدستور قصبہ محمد ہٹہ نسلاً بعد نسلٍ تمہارے واسطے مقرر ہوگی۔ ورنہ در صورت خلاف مجرم سرکار قرار پاؤ گے۔

علی نقی اور بادشاہ کی ملاقات

بعد زوال شمسی جس سے اقبال سلطنت پر زوال آیا۔ وزیر نے مراجعت کیا اور نہایت مضطرب الحال بادشاہ کے پاس آئے اور حقیقت حال مشروحاً بادشاہ سے عرض کی اور بہت سا نشیب و فراز سمجھایا۔ مقربانِ خاص نے بھی بالاتفاق

وزیر کے خوف سے بقائے دولت کی یہی صلاح عرض کی۔ بلکہ مہاراج بالکرشن نے اصل مطلب کا راضی نامہ لکھ کر نظر انور میں گذرانا۔

"موت کے اس محضر پر دستخط کرو"

آخر اوٹرم صاحب لارڈ ڈلہوزی کا پیام محبت لے کر خود واجد علی شاہ کے پاس پہنچے۔ اوٹرم اور واجد علی شاہ کی ملاقات اور بادشاہ کی بے باکانہ گفتگو کا نقشہ ذکاء اللہ نے بڑا اچھا کھینچا ہے:

آوٹرم کو یہ بڑا نازک اور دشوار کام سپرد ہوا کہ بادشاہ کو سمجھا کر اس عہد نامہ پر راضی کرے کہ وہ ملک اپنی خوشی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو حوالہ کرے اور اگر بادشاہ اس پر راضی نہ ہو تو اشتہار دیا جائے کہ کل اودھ سرکار کمپنی کا ملک ہو گیا۔ انگریزی سپاہ لکھنؤ میں اس قدر بھیجی گئی کہ وہ ہر مقابلہ کے دبا دینے کے لئے کافی تھی۔

بادشاہ اور اوٹرم کی گفتگو

اوٹرم صاحب نے وزیر اودھ سے صاف صاف کہا کہ گورنمنٹ کے آخری احکام ناطق آ گئے ہیں۔ چار روز تک اس باب میں گفتگو ہوتی رہی۔ مشرقی وضع میں سہ داخل ہے کہ دربار شاہی یہ کوشش کیا کرتا ہے کہ مہلت ملے۔ اوٹرم صاحب سے بادشاہ کی ماں اس باب میں گفتگو کرتی تھی۔ اس ماں میں بیٹے سے بھی زیادہ ہمت مردانہ بڑے استقلال کے ساتھ تھی۔ وہ اوٹرم صاحب سے یہ عرض کرتی تھی کہ اپنی گورنمنٹ کو وہ سمجھائیں کہ بادشاہ کو جب تک اور مہلت ملے کہ نیا گورنر جنرل آ جائے اور جن اصلاحوں کو وہ چاہتا ہے اُن کا حکم واجد علی کو دے۔ مگر اوٹرم صاحب اس کی ساری باتوں کے جواب میں یہ ایک بات کہتے تھے، کہ اب آزمائش اور عمل کا وقت گزر گیا۔ اب میں سوا اس کے اور کچھ نہیں کر سکتا کہ اپنا پیام بادشاہ کو دوں۔ واجد علی شاہ نے منظور کیا، کہ ریزیڈنٹ اس سے ملاقات کرے۔

اوٹرم اور واجد علی شاہ کی ملاقات

۴ فروری کو اوٹرم صاحب مع اپنے اسسٹنٹوں کے گئے۔ تو محل میں یہ عجیب تماشا دیکھا کہ محل کے دروازہ پر سے توپیں اُتار لی گئیں تھیں۔ محل کے پہرہ کے سپاہیوں کے پاس ہتھیار نہ تھے۔ اس نے ریزیڈنٹ کو ہاتھ سے سلام کیا۔ مقام معینہ پر بادشاہ نے اور اس کے بھائی اور معتمد وزراء نے ریزیڈنٹ کا استقبال کیا۔ مراسم ملاقات ادا کرنے کے بعد کام شروع ہوا۔ اوٹرم صاحب نے گورنر جنرل کا خط بادشاہ کو دیا۔ جس میں نہایت اخلاق کریمانہ کے ساتھ حکم جو بادشاہ کی نسبت دیا گیا تھا لکھا ہوا تھا۔ اور اس سے عرض کیا گیا تھا کہ وہ اس حکم سے مقابلہ کرنے میں اصرار نہ کرے پھر عہد نامہ کا مسودہ بادشاہ کو دیا گیا۔

واجد علی شاہ کا جواب

بادشاہ نے نہایت غم زدہ ہو کر غصّے سے کہا کہ عہد نامہ صرف برابر والوں میں ہوتا ہے۔ (یعنی زبردست کا

زبردست سے عہد و پیمان نہیں ہوتا) اس کی ضرورت نہیں ہے کہ میں اس پر دستخط کروں۔ برٹش کو اختیار ہے کہ میرے ساتھ اور میرے ملک کے ساتھ جو چاہیں وہ کریں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے انگلینڈ جانے کی اجازت ملے کہ اس کے تخت کے آگے اپنے دکھ درد کا درمان چاہوں۔ بادشاہ کو کسی بات نے اپنے ارادہ سے باز نہ رکھا اور عہدنامہ پر اس نے دستخط نہیں کئے۔ اُس نے اپنی دستار اُتار کر ریزیڈنٹ کے ہاتھ میں رکھ دی۔ اور غمگین ہو کر کہا کہ خطاب و عزت و جاہ و منصب اور سب چیزیں جاتی رہیں۔ برٹش گورنمنٹ نے ہی اس کے دادا کو بادشاہ بنایا تھا وہی مجھے ناچیز کر سکتی ہے اور تاریکی میں ڈال سکتی ہے۔

اب کرنیل اوٹرم کو سوا اس کے کچھ اور چارہ نہ تھا کہ کلکتہ سے جو اشتہار آیا تھا اُس کا اعلان کریے۔ کہ صوبہ اودھ ہمیشہ کے لئے سرکار کمپنی کی سلطنت کا ایک حصّہ ہو گیا۔

بادشاہ اور مادرِ شاہ کے دلائل

اس موقع پر بادشاہ نے اوٹرم سے جو گفتگو کی اس میں عجز بھی ہے اور طنز بھی۔ مادرِ شاہ نے جو باتیں کیں ان میں دلائل بھی ہیں اور اپیل بھی۔ بادشاہ نے کہا:

" اگر مدار المہام اور اہالیانِ سلطنت کی غفلت سے امور مرجوعہ سلطنت میں خرابی پائی جاتی ہے کہ اس صورت میں اُس کی اصلاح اُن کے تغیر و تبدل سے ممکن ہے نہ یہ کہ اس حیلے سے ملک پر قبضہ کر کے وارث سلطنت کو معطل و بیدخل کر دیا جائے۔ نواب گورنر جنرل کے ارشاد سے تعجب ہے کہ مواخذہ ہمارے آبائے کرام کا جو قدیم سے مکنون خاطر ہوتا چلا آیا ہے وہ سب میرے زمانہ پر منحصر رکھا تھا۔ ہمارے آبائے کرام نے کبھی عہد شکنی نہیں کی۔ اس واسطے کہ ہر عہدِ سلطنت میں جس طرح عہدنامہ مرکوز خاطر اہالیانِ سرکار کمپنی ہوا ہر امر ناسخ کو جب چاہا منسوخ کر کے دوسرا داخل کیا، ہمارے آبائے کرام نے اُسے بکمال رضامندی بلا اکراہ قبول کیا اور کبھی سبقت اپنی طرف سے کسی عہدنامے کے تبدل و تغیر کی نہیں کی۔ بہرحال سرکار کمپنی کی مرضی کے تابع رہے۔ اور مشکل وقتوں میں فوج اور روپے اور اسباب اور سامان ضروری سے اعانت میں مضائقہ نہیں کیا اور اپنے آپ لاکھوں روپیہ کا نقصان گوارا کیا اور کبھی اس کی شکایت نہیں کی۔ اور سلطنت کی بعض رعایا اور اقربا کی حمایت سرکار کمپنی نے اپنی عدالت کے خلاف کی۔ اُس کے لئے اپنے حلم و بردباری سے سرکار کمپنی کی مرضی کو مقدم سمجھا۔"

اس موقع پر واجد علی شاہ کی والدہ بھی موجود تھیں، اُنہوں نے اوٹرم صاحب سے کہا:

"خود تاج بخشی کی وزارت سے مرتبۂ بادشاہی دیا۔ اب بے قصور ایسے امر کا صدور شان و شوکت شاہنشاہی کے خلاف ہے کہ فقط حیلہ غفلت ٹھہرا کر ایسی اہانت و توہین سے چھنا جاتا ہے۔ ہندوستان میں جن ریاستوں میں نوبت فتنہ و فساد اور جنگ و جدل کی پہنچی پھر اُن کا ملک اُن کے وارثوں کو دیدیا اور ہمارے ساتھ باوجود اس اطاعت و فرمانبرداری کے جو ہمیشہ سے ہوئی بے التفاتی ظاہر ہو۔ اگر سلطنت کے کاموں میں بادشاہ کی طرف سے غفلت شعاری ہے تو سرکار کمپنی

نے پہلے جلوس کے وقت لیاقت و قابلیت کا امتحان لے لیا ہوتا اور اگر مدار المہام سلطنت کی غفلت ہے تو مواخذہ اور سیاست اُن پر ہونا چاہیئے۔ کوئی بھی انتظام اور اصلاحِ حال کے بہانے سے کسی کا گھر چھینتا ہے یہ بات انصاف سے دور ہے، جس کی طرف آپ کو مظنۂ تخریب ہو ہم اُس کو آپ کے حوالے کر دیں۔"

ریزیڈنٹ نے جواب دیا کہ ہم کو تمام باتوں کا مواخذہ منیب سے چاہیئے نہ کہ نائب سے۔

متبادل تجویز بھی ریزیڈنٹ نے نہ مانی

پھر والدہ واجد علی شاہ نے اوٹرم سے کہا، اگر آپ واجد علی شاہ سے ناراض ہیں تو میرے دوسرے بیٹے جنرل سکندر حشمت کو وارث سلطنت کیجیئے۔ یا مرزا ولی عہد کو بادشاہ بنائیے۔ اور اجرائے امورِ سلطنت عملداریٔ سرکار کمپنی کے موافق اہالیانِ سرکار کمپنی کی طرف سے عمل میں آئے۔ والدہ بادشاہ کی اس تقریر کے بعد جہاں آرا بیگم عرف کھیتو بیگم زوجہ محمد علی شاہ کی دادی ہیں کہا کہ سب سے بالاتر یہ ہے کہ امجد علی شاہ کے بیٹے مصطفٰی علی خان کو تخت پر بٹھائیے۔ اگرچہ وہ ہماری غیر کفو عورت سے ہیں۔

ریزیڈنٹ نے جواب دیا کہ اُن کی تخت نشینی سے تم کو کیا فائدہ؟

کھیتو بیگم نے کہا کہ اس نظریئے سے کہ تمام سلطنت باقی رہے اور یہ بدنامی ہمارے نام سے جاتی رہے۔ یہ سنکر جنرل اوٹرم صاحب رخصت ہوئے۔ اس خبر وحشت اثر کے مشہور ہوتے ہی بادشاہی محلات اور تمام شہر میں گھر گھر میں عجیب ماتم برپا ہوا۔ اور ہر ایک در و دیوار سے وحشت و ویرانی برس رہی تھی۔ تین دن تک کسی نے کچھ نہ کھایا۔

اب بادشاہ کو اپنے وزیر کی دیانت داری و وفا شعاری اور لیاقت و خوش کرداری کا حال معلوم ہوا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا وقت تدبیر کا ہاتھ سے جا چکا تھا۔ اُس کی کردار ناسزاوار کا علاج اور چارہ کچھ نہ ہو سکتا تھا کفِ افسوس مل کر رہ گئے۔

اشتہار واجب الاظہار

واجد علی شاہ نے جب نئے معاہدہ پر دستخط کرنے سے انکار کیا تو اوٹرم صاحب نے ہر ماہ پر گورنمنٹ انگریزی کا یہ اشتہار (خلاصتہً) چسپاں کرا دیا:

حسب الحکم خاص و استرضائے آنریبل کورٹ آف ڈائرکٹرز کے یہ بات ٹھہری کہ عہد نامۂ سنہ ۱۸۰۱ء جس سے ہر ایک والی اودھ نے انحراف و تجاوز کیا ہے آج کی تاریخ سے یہ تمامہ ناجائز و ساقط ہے۔ چنانچہ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کو ایک نئے عہد نامے کے مقرر کرنے کے لئے نصیحت کی گئی۔ جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ملک اودھ کا انتظام بلا اشتراک غیر سرکار انگریز بہادر کے سپرد کیا جائے۔ مگر شاہ موصوف نے ایسے دوستانہ عہد نامے کے انعقاد سے انکار کیا۔ شاہِ اودھ واجد علی شاہ اور جملہ والیانِ سابق ملک اودھ کی نسبت عہد نامۂ سنہ ۱۸۰۱ء کی تعمیل میں منکر یا سہل انگار یا غافل ہوئے۔ جس کی وجہ سے اصرار ایسے بندوبست کا ملک اودھ میں جو رعایا کی رفاہ اور خیریت کا موجب ہو لازم کیا گیا۔ اور عہد نامہ سنہ ۱۸۰۱ء کو جس سے

یوں ہی انحراف ہوا ناجائز و ساقط گردانا گیا اور چونکہ شاہ موصوف عہدنامۂ جدید کے انعقاد سے جو عہدنامۂ سابق کی جگہ منظور تھا انکار اور عہدنامۂ سابق کی شرائط جبکہ بحال تھیں بسبب عدم مداخلت اہالیانِ کمپنی انگریز بہادر کے ملک اودھ میں نافع نہ ہوئیں اور بدون ایسی مداخلت کے شائستہ بندوبست کا جاری ہونا اس ملک میں ممکن نہیں ان وجوہات سے تمام عالم کو ظاہر ہے کہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کو دو صورتوں کے سوا اور کوئی چارہ نہیں یا تو ملک اودھ کی رعایا کو ترک کرے اور اُن کے ہاتھ پاؤں باندھ کے معرضِ ظلم و تعدی میں ڈال دے۔ یا سرکار اپنے اقتدار عظیم کو اُن لوگوں کے حق میں نفاذ کرے جن کی رفاہیت کے واسطے پچاس برس کے عرصے سے دست اندازی کا وعدہ کیا تھا۔ اور اودھ کے بندوبست کا تمام و کمال نظم و نسق ہمیشہ کے واسطے اپنے اختیار میں کر لے۔ ان دونوں صورتوں میں سے سرکار کمپنی انگریز بہادر نے بلا تامل دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ اس لئے اشتہار دیا جاتا ہے کہ آج کے دن سے ملک اودھ کا نظم و نسق بلا شرکت غیر ہمیشہ کے لئے کمپنی بہادر کے قبضۂ اختیار میں آگیا ہے۔ سب عامل و ناظم و چکلہ دار و جملہ نوکرانِ دربار اور سب اہلکارانِ مالی و ملکی دیوانی و فوجی و سپاہیانِ دربار اور جملہ ساکنانِ اودھ کو لازم ہے کہ آیندہ کمپنی انگریز بہادر کے اہلکاروں کی اطاعت اور فرمانبرداری کلی کرتے رہیں اگر کوئی اہلکار دربار یا جاگیردار یا زمیندار یا کوئی دوسرا شخص ایسی اطاعت و فرمانبرداری سے انماض کرے گا یا کوئی مالگذاری دینے میں عذر کرے گا اور کسی طرح سرکار کمپنی انگریز بہادر کی حکومت میں تعرض و مزاحمت کرے گا تو شخص مذکور مفسد گنا جائے گا اور قید بھی کیا جائے گا اور جاگیر یا اراضی اُس کی ضبط سرکار کی جائے گی۔ اور وہ لوگ جو فوراً بلا عذر سرکار کمپنی انگریز بہادر کی تابعداری قبول کریں گے حامل ہوں ـــ یا اہالیانِ دربار یا جاگیردار یا زمیندار یا سکنائے اودھ سب سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ وہ حفاظت و لحاظ و التفات اہالیان کمپنی انگریز بہادر کا پائیں گے یا پاتے رہیں گے۔ تعداد مالگذاری کا تعین انصاف اور بندوبست واجبی کے ساتھ عمل میں آئے گا اور ملک اودھ کی آبادی و آراستگی کے باب میں بتدریج کوشش برابر ہوتی رہے گی۔ ہر کسی کو بلا طرفداری کسی کے عدل گستری ہوتی رہے گی۔ جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ اور ہر ایک شخص اپنے حقوق واجبی پر بے اندیشہ اور بغیر کسی کی دست اندازی کے قابض و متصرف رہے گا۔

قصور ڈھونڈھ کے پیدا کئے جفا کے لئے

اس اشتہار کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ واجد علی شاہ کے آبا و اجداد کی کوتاہیاں بھی واجد علی شاہ کے کھاتے میں رکھی گئیں، دوسرا یہ کہ سارا انتظام گو عملاً انگریزوں کے ہاتھ میں تھا لیکن اس کی ذمہ داری بھی واجد علی شاہ کی عیش پرستی پر رکھی گئی:

خار کو گل اور گل کو خار جو چاہے کرے
تو نے جو چاہا کیا اے یار جو چاہے کرے

اصل میں طاقت کی منطق خود اپنی دلیل آتی ہے۔ انگریز چونکہ طاقتور تھے لہذا اُنہوں نے اپنی ہر غلطی اور غلط کاری اور عہد شکنی کو جائز قرار دے لیا۔ کون تھا جو انہیں چیلنج کرتا؟